www.KitaboSunnat.com

عالم اسلام اور مغرب

محمد اکرم شیخ، ایڈووکیٹ

مسلمہ معاشرتی، اسلامی اقدار پر مغربی یلغار

کیا ایک مسلمان بالغ لڑکی اپنے ولی (والد/سرپرست) کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے شادی کرنے کی آزادی رکھتی ہے یا نہیں۔ اس سوال پر حالیہ بحث نے بین الاقوامی شہرت و اہمیت حاصل کرلی ہے۔ جناب چیف جسٹس خلیل الرحمٰن کے تشکیل کردہ فل بنچ جو تین انتہائی قابل اور دیانتدار ججوں جناب جسٹس احسان الحق چوہدری، جناب جسٹس ملک محمد قیوم اور جناب جسٹس خلیل الرحمٰن رمدے پر مشتمل ہے، نے اس مقدمے کی سماعت مکمل کرلی ہے۔ قابل احترام بنچ نے ایک فریق کے تکرار و اشتعال پر مبنی دلائل سنتے ہوئے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اس فریق نے زور دلائل میں یہ موقف بھی اختیار کیا کہ پاکستان میں "مرد کی مرد کے ساتھ شادی" بھی خالصتاً ایک نجی معاملہ ہوگا اور کسی عدالت کو اس میں دخل اندازی کا حق نہیں دیا جاسکتا۔

فریقین نے اپنی بحث مکمل کرلی ہے جو مہینوں جاری رہی۔ عدالت نے فیصلہ محفوظ کرلیا ہے جو کچھ عرصہ کے بعد سنایا جائے گا اور فریقین کی جانب سے اٹھائے گئے نکات کے پس منظر میں قضیئے کا کوئی متعین حل یقیناً سامنے آجائے گا۔ شادی کی قانونی حیثیت کا سوال ایک فیصلہ طلب موضوع ہے، لہٰذا میں اس پر تبصرہ کرنے سے گریز کروں گا، تاہم اس مسئلے کا اجتماعی سماجی ذمہ داری کے حوالے سے جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ میری نظر میں، زیر بحث موضوع کے جواز اور قانونی پہلو سے قطع نظر پاکستان کے وہ لوگ جنہیں اپنے کندھوں پر خاندان کی جملہ ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے، انہیں اس امر کا اطمینان حاصل کرنے کا حق حاصل ہونا چاہئے کہ لڑکی اپنی مرضی سے جو شادی کر رہی ہے وہ اس کے لئے باعث خیر بھی ہوگی یا نہیں۔ بلوغت کی عمر کو پہنچ کر کسی قانونی اختیار کا مل جانا، کیا لڑکی کو یہ قانونی حق بھی بخش دیتا ہے کہ وہ ایسے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوجائے جو اس کی بربادی کا باعث بن جائے۔ والدین کی رضامندی کے خلاف شادی کے واقعات عام نہیں شاذونادر ہیں، تاہم انہیں اس وقت بڑی اہمیت حاصل ہوجاتی ہے جب "تحریک آزادی نسواں" کی قائد خواتین اس مسئلے کو اندرون ملک اور بین الاقوامی سطح پر موضوع بحث بنالیتی ہیں۔ لہٰذا اس سوال کا ایک ایسا جواب تلاش کرنے کی ضرورت برقرار ہے جو ہمارے معاشرے کے اجتماعی ضمیر کو مطمئن کرسکتا ہو۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسز عاصمہ جہانگیر جو جنرل ضیاء الحق کے "جابرانہ مارشل لاء حکومت" کے دور سے پاکستان میں آزادی نسواں کی تحریک برپا کرنے کی دعویدار ہیں، وہ بھی اس سوال کا جواب دینے سے بچ نہیں سکتیں کہ آزادی نسواں کا فریب دے کر بھولی بھالی اور ناتجربہ کار نوعمر لڑکیوں کا ناجائز استحصال کیا جاتا ہے، اور جب والدین اور ان کے "شوہر" دونوں ان سے منہ موڑ لیتے ہیں تو ان پر کیا بیتتی ہے، اور وہ کیسی کیسی ناقابل بیان، اذیتوں، مصیبتوں اور توہین کا شکار ہوجاتی ہیں۔

واضح طور پر عورتوں کی آزادی کی اس مہم کا ہدف خاندان کے مرکز (Neucleus) کو توڑ دینا یا کم از کم اسے کمزور کردینا ہے، جو گذشتہ پچاس برس کے نشیب و فراز میں زندہ و سلامت بچ نکلا ہے۔

کرہ ارض پر ابھرنے والی تمام معروف تہذیبوں میں خاندان کو ایک بنیادی وحدت کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ سبھی تہذیبوں نے اپنے ڈھانچے کو محفوظ رکھنے کی جدوجہد کی، اور مورخین و ماہرین عمرانیات نے خاندان کے زوال کو تہذیبوں کے زوال سے منسلک قرار دیا ہے۔

یہ زیادہ پرانی بات نہیں کہ یورپ، امریکہ اور دوسرے معاشروں میں بھی خاندانی رشتے ہمارے یہاں کے رشتوں کی مانند ہی مستحکم تھے۔ دنیا کے ان خطوں میں موجودہ خاندانی انتشار انہی سماجی تبدیلیوں کے نتیجہ میں پیدا ہوا جنہیں اب پاکستان میں لانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ مغرب اور دنیا کے دوسرے خطوں میں جب خاندان کو وہی استحکام حاصل تھا جو مسلم معاشروں میں موجود ہے، تو والدین ہی کو اپنی اولاد کا اصل خیر خواہ اور ان کی بہتری کا نگران تصور کیا جاتا تھا۔ ازدواجی رشتوں کے لئے والدین کی رضامندی ایک لازمی شرط تھی لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد خاندانی وحدت پارہ پارہ ہوگئی تو معاشرتی رشتوں کو ایک شدید دھچکا لگا۔ مغرب میں اس انتشار کا مداوا فلاحی ریاست، مذہبی تنظیموں اور فلاح عامہ کی دوسرے اداروں نے کیا جنہوں نے ولایت اور سرپرستی کا منصب سنبھال لیا۔

وہ سماجی انقلاب جسے پاکستان پر مسلط کیا جارہا ہے اپنی نوعیت کے اعتبار سے ویسا ہی ہے، جو بعض دوسرے معاشروں میں برپا ہو کر خاندانی انتشار کا باعث بن چکا ہے۔ ان معاشروں میں 'سماجی تغیر پذیری' کے عبوری دور میں پیش آنے والے خوفناک حقائق، اعداد و شمار کی شکل میں دستیاب ہیں، جن سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جن معاشروں نے اس "سماجی انقلاب" کا راستہ اختیار کیا وہ آج مکمل سماجی اور اخلاقی انتشار کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ نوعمر سادہ دل لڑکے قابل نفرت جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور اب وہاں پر یہ شدید خواہش سر اٹھا رہی ہے کہ کسی طرح خاندانی نظام کو واپس لیا جائے۔

پاکستان میں خاندان کا ادارہ ایک وحدت کے طور پر اپنے ارکان کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ ایک شادی شدہ لڑکی کو بدقسمتی سے اگر اس کا خاوند علیحدہ کردے تو ماں باپ اسے، اس کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچوں سمیت اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں۔ والدین کی عدم موجودگی میں لڑکی کے بھائی اس کی اور اس کے بچوں کی تمام ذمہ داریاں اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اس لئے کہ وہ لڑکی کو اس کی بدقسمتی کا ذمہ دار قرار نہیں دیتے۔ انہوں نے خود اپنے ہاتھوں اس کی شادی کی ہوتی ہے، سو انہیں تمام تر ذمہ داری اٹھانی پڑتی ہے۔ اور یوں بھی ہمارے یہاں خاندان کی سرپرستی کا کوئی نعم البدل نہیں، کوئی سہارا نہیں۔

وہ قوم جو اپنی کل قومی آمدنی کا صرف ایک فیصد سرمایہ ۱۳۔ کروڑ عوام کی تعلیمی ضرورتوں کے لئے اور اس سے قدرے زیادہ صحت عامہ کے لئے مہیا کرتی ہو، ان عورتوں کو کوئی سماجی تحفظ نہیں دے سکتی، جنہیں ان کے خاوندوں نے چھوڑ دیا ہو۔ نہ کوئی ایسے ادارے ہی وجود میں آئے ہیں جو ایسی حاجت مند اور بے سہارا عورتوں کا سہارا بن سکیں۔ "خوشی قسمتی" سے ایسے ادارے تو ہیں جو شادی کے مسئلے پر گھر سے فرار ہونے والی نوخیز لڑکیوں اور خواتین کو پناہ فراہم کرسکتے ہیں لیکن باوجود کوشش کے آپ کو ایسا کوئی ادارہ نہیں ملے گا جو ان بے سہارا عورتوں کو پناہ دے سکے، جو حاملہ ہوں یا بچوں والی۔

ایک شماریاتی جائزے کے مطابق ایسی خواتین کی اکثریت ان عورتوں پر مشتمل ہے۔ جنہوں نے اپنے والدین یا سرپرستوں کی رضامندی کے برعکس شادی کی اور جب ان کے "عاشقوں" نے انہیں دھتکار دیا، تو خاندان نے بھی ان سے منہ پھیر لیا۔ خاندان بالعموم ایسے افراد کو رد کردیتے ہیں جن کے باعث انہیں توہین اور شرمندگی برداشت کرنی پڑی ہو اور انہیں اپنے دامن میں پناہ دینے سے انکار کردیتے ہیں۔

متاثرہ خاندان کے اس رد عمل کو نامعقول کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا، تاہم خاندان میں انتشار کی دارڑ پڑ جاتی ہے۔ دوسری جانب گھر سے بھاگنے والی بیچاری بدنصیب لڑکی، جس نے عائلی زندگی کے سہانے خواب دیکھے تھے۔ ہنی مون کے جلد ہی بعد محسوس کرلیتی ہے کہ گرمی جذبات سرد ہوچکی اور اب اس سے جان چھڑانے کے بہانے تلاش کئے جارہے ہیں۔ اس مرحلے پر انہیں سرچھپانے اور روٹی کا لقمہ دینے والا کوئی "دستک" نہیں ہوتا۔ اگر اس دوران بچوں کی ذمہ داری بھی وجود میں آجائے تو مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ بروقت مناسب رہنمائی سے محرومی، گھروں سے بھاگ جانے کی رغبت دلانے والا آزادانہ ماحول اور سوشل سیکیورٹی کی عدم موجودگی ان بھولی بھالی لڑکیوں میں سے بیشتر کو قحبہ خانوں تک لے جاتی ہے۔

ہیومن رائٹس کمیشن کی چیئرپرسن کی اس بات سے میں اتفاق کرتا ہوں کہ ہم ایک سماجی انقلاب کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ تاہم میں بلاجھجک یہ کہنا چاہوں گا کہ جس انقلاب کا ذکر کیا جارہا ہے،

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ سماجی تبدیلی نہیں سماجی بربادی ہے۔

میں آزادی نسواں کی لیڈروں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کون سی سماجی تبدیلی ہے جسے ہم اپنے معاشرے میں لانا چاہتے ہیں۔ کیا آزادی کے اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ ہم خاندان کے مرکز کو توڑ دیں یا کمزور کردیں۔

پاکستان جسے اس کی دولت، وسائل اور اثاثوں تک رسائی رکھنے والے کسی بھی شخص نے لوٹنے میں تامل نہیں کیا اور جو محاذ آرائی کا شکار ہے اور جس ملک سے خود اس کے اپنے سرکاری افسروں، بینکروں، انجینئروں، اساتذہ غرض کہ ہر پیشہ سے متعلق لوگوں اور سب سے بڑھ کر سیاستدانوں نے دغا کی ہے، کیا وہ اس قابل رہ گیا ہے کہ اپنے مرکز پر کوئی ضرب برداشت کرسکے۔ "تحریک آزادی" کے علم بردار آخر کیوں کر خاندان کو نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ آخر اس بیچارے خاندانی نظام نے کسی کا بگاڑا کیا ہے؟

گذشتہ اگست کے آخری ہفتے میں، میں شکاگو کے نواح میں موجود تھا جہاں صدر کلنٹن کی پارٹی نے اپنا انتخابی کنونشن منعقد کیا۔ میں نے اس جلسے میں دو خواتین اول یعنی مسز ہلیری کلنٹن اور مسز ایلگور کی تقاریر کو نہایت دلچسپی اور توجہ سے سنا۔ دونوں تقاریر بہت جھنجوڑنے والی تقاریر تھیں اور ان کا مرکزی خیال تھا ـــــ "خاندان"

ہلیری کلنٹن نے نہ سیاسیات کو موضوع سخن بنایا اور نہ انہوں نے اپنے شوہر کی حکومت کو پالیسیوں کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا۔ انہوں نے کہا تو محض یہ کہ

> "میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئی تو کلنٹن میرے ساتھ ساتھ رہے۔ میں درد زہ میں مبتلا تھی تو انہوں نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ انہوں نے چیلسی کی دیکھ بھال میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ ایک خاندان، ایک خوش و خرم خاندان، ایک اعتماد سے سرشار خاندان کو پروان چڑھانے کے لئے ایک رشتہ ازدواج ضروری ہے، ایک سازگار معاشرہ ضروری ہے اور ایک ایسا صدر جو اس کا احساس رکھتا ہو اور اس ضرورت کو پورا کرتے ہیں بل کلنٹن"

اس جذباتی تقریر نے دلوں پر اثر کیا۔ ایک لمحے کے لئے یوں لگا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی "سلطنت شر" اپنی جنت گم گشتہ تک پہنچا چاہتی ہے۔ امریکہ جیسی واحد عالمی قوت خاندانی مرکز ٹوٹ جانے کے نتیجے میں کھوکھلی ہوچکی ہے۔ امریکی قوم جس میں بن باپ یا بن ماں کے خاندان (One parent family) کا تناسب بہت زیادہ ہوچکا ہے، اس نے خاندانی زندگی کو واپس لانے کی تحریک برپا کی ہے اور یہ انتخابی مہم کا سب سے بڑا نعرہ بن کر ابھرا ہے۔ ان معاشروں میں بھی جہاں شہریوں کو معاشی تحفظ فراہم کیا جاچکا ہے، خاندان کی بحالی کی خواہش بڑی شدت اختیار کرچکی ہے۔ تو پھر

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا وجہ ہے کہ ہم اس مرکزے (Neucleus) کو تباہ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں؟ کیا اس کا ہدف بعض "مقاصد" حاصل کرنا نہیں؟ آخر وہ مقاصد کیا ہیں؟

مجھے تو یوں لگتا ہے کہ بعض بدخواہ پاکستانی عوام کو اس جرم کی سزا دینے پر تلے بیٹھے ہیں کہ انہوں نے پچھلے پانچ عشروں تک مذہب کا دامن نہیں چھوڑا۔ مذہب پر براہ راست حملہ کرنے کو حکمت کے منافی جان کر ہمارے بدخواہوں نے خاندان کو ہدف بنایا ہے۔ خاندان کے مرکزے (Neucleus) کو تباہ کرنے کے لئے لڑکیوں کو گھروں سے فرار ہونے کی شہ دی جاتی ہے اور خاندان کی رضامندی سے عاری کمزور ازدواجی رشتوں کو رواج دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ لادینی اخلاقی نظام کو فروغ حاصل ہوگا اور خاندان کا مضبوط ادارہ پارہ پارہ ہوجائے گا۔

تمام مذاہب نے یتیموں، بیواؤں اور مساکین سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کی ہے۔ اسلام نے یہ ذمہ داری پورے معاشرے اور اس کے اہم اداروں خصوصاً خاندان پر عائد کی ہے۔ اسلام نے ہمیں سبق دیا ہے کہ ناداروں اور معاشرے کے پسماندہ طبقات کے لوگوں سے اس طرح امداد کی جائے کہ عدم مساوات کو کم سے کم کیا جاسکے۔

دو تہائی دنیا خاندانی زندگی کے انتشار سے پیدا ہونے والے زخموں سے کراہ رہی ہے اور اس کا مداوا کرنے سے قاصر ہے۔ اب تو اس جنت گم گشتہ کی بازیافت کی خواہش عالم گیر ہوتی جارہی ہے۔ اس صورت حال میں آخر ہمیں اس نعمت سے محروم کرنے کی کوششیں کیوں کی جارہی ہیں؟

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ